خطبہ جمعہ

دعا ایک ایسی چیز ہے جس کے ساتھ مسلمانوں کو دوسری قوموں پر فخر کرنا چاہئے

اے دنیا بھر کے احمدیو! تم اس فخر اور ناز کو اپنے سر سے اتار نہ پھینکنا۔ عمر بھر یہی تمہارا تاج رہے

خطبہ جمعہ ارشاد فرمودہ سیدنا امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز- فرمودہ ۱۵ر جنوری ۱۹۹۹ء بمطابق ۱۵ر صلح ۱۳۷۸ھ ہجری شمسی بمقام مسجد فضل لندن (برطانیہ)

(خطبہ جمعہ کا یہ متن ادارہ الفضل اپنی ذمہ داری پر شائع کر رہا ہے)

أشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأشهد أن محمداً عبده و رسوله-

أما بعد فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم- بسم الله الرحمٰن الرحيم -

الحمدلله رب العٰلمين - الرحمٰن الرحيم - مٰلك يوم الدين - إياك نعبد و إياك نستعين -

اهدنا الصراط المستقيم - صراط الذين أنعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين-

آخر رمضان مبارک کا وہ جمعہ آگیا جس کی سال بھر مختلف پہلوؤں سے راہ تکی جاتی ہے۔ بہت سے ایسے خدا کے بندے ہیں جو خدا کے بندے ہوتے ہوئے بھی سال بھر اس کے بندے نہیں رہتے لیکن اس سے رحم اور فضل کی امید رکھتے ہیں اور ان کے لئے یہ جمعۃ ُوداع دراصل خدا سے ملاقات کا ایک ہی دن ہے اور اسے بھی وہ اس طرح دیکھتے ہیں کہ یہ ملاقات کا دن آ کے ٹھہرے نہیں بلکہ گزر جائے۔ اس پہلو سے اسے جمعۃ الوداع کہا جاتا ہے کہ وہ دن آخر آجائے کہ جب خدا سے لقاء ہو، جتنی بھی ہو اور عمر بھر کے گناہ بخشوا لئے جائیں اور پھر اس دن کو رخصت کر دیا جائے۔ اس پہلو سے اسے جمعۃ الوداع کہتے ہیں۔

بعض ایک اور پہلو سے اسے جمعۃ الوداع کہتے ہیں وہ بھی اس کی راہ تکتے ہیں مگر اسے رخصت کرتے ہوئے ان کا دل اس طرح غم سے بھر جاتا ہے جیسے کسی محبوب کے آنے پر جب دل میں یقین ہو کہ اس نے چلے ہی جانا ہے اور اس کے جانے کا غم اس کے آنے کی خوشی کے ساتھ مدغم ہو جاتا ہے۔ دونوں بیک وقت اپنی اپنی ضربیں لگاتے ہیں تو ایسی کیفیت بھی انسان پر طاری ہوا کرتی ہے۔ پس یہی جمعۃ الوداع ان معنوں میں بھی بعض لوگوں کے لئے جمعۃ الوداع ہے کہ رمضان رخصت ہو رہا ہے لیکن وہ حسرت سے دیکھتے ہیں کہ خدا جانے ہم نے اس کے تقاضے پورے کئے بھی نہیں تھے اور پھر یہ اچانک ہمارے ہاتھ سے نکل گیا اور اس کے ساتھ وہ اگلے جمعہ کی راہ تکنے لگتے ہیں۔ تو یہ ملے جلے جذبات ہیں جن کے ساتھ اس جمعہ کا استقبال اور اس کا وداع ہوتا ہے۔

جہاں تک میں نے اس مضمون پر غور کیا ہے مجھے قرآن کریم کی ایک آیت کا جو عنوان ہے وہ اس سارے مضمون کا عنوان دکھائی دیا اور وہ رمضان سے تعلق والی ہی ایک آیت ہے جو سورۃ البقرہ کی ۱۸۵ویں آیت ہے۔ اس کا عنوان یہ ہے اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ۔ جس کا یوں ترجمہ کیا جاسکتا ہے کہ گنتی کے چند دن ہی تو ہیں میں نے جب غور کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ یہ آیت تو ساری زندگی پر حاوی ہے، اور ساری زندگی پر بھی حاوی ہے اور رمضان مبارک پر بھی حاوی ہے۔ چنانچہ رمضان مبارک کے تعلق میں فرمایا تم میں سے مریض بھی ہونگے جو اس میں داخل ہونگے اور مسافر بھی ہیں جن کی راہ میں یہ رمضان آ ہی جایا کرتا ہے لیکن پھر وہ یہ توقع رکھتے ہیں کہ دوبارہ پھر یہ دن نصیب ہونگے۔

یہ سارا مضمون رمضان مبارک کا مضمون ہے لیکن زندگی کا بھی یہی عنوان لگایا جا سکتا ہے اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ۔ گنتی کے چند دن ہی تو ہیں۔ اور زندگی میں بھی انسان اس طرح داخل ہوتا ہے کہ کبھی ایک صحت مند بچے کے طور پر داخل ہوتا ہے اور کبھی ایک بیمار بچے کے طور پر داخل ہوتا ہے۔ ایک بیمار بچہ ساری زندگی اپنے سامنے بیماری کی حالت میں پھیلی ہوئی دیکھتا ہے تو اس وقت یہ نہیں کہہ سکتا کہ گنتی کے چند دن ہی تو ہیں، بہت لمبی، بہت ممتد زندگی دکھائی دیتی ہے ایک طویل رات کی طرح اس پر چھا جاتی ہے لیکن جب موت کے منہ تک پہنچتا ہے تب اس کو اس حقیقت کی سمجھ آتی ہے کہ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ۔ گنتی کے چند دن ہی تو تھے جو گزر گئے۔ اور ایک صحت مند بچہ بھی اس حال میں داخل ہوتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ زندگی کبھی ختم ہی نہیں ہوگی۔ ساری زندگی لامتناہی طور پر اس کے سامنے پھیلی ہوئی دکھائی دیتی ہے لیکن جب موت کے کنارے پہنچتا ہے تو بے اختیار اس کے دل سے یہ آواز بلند ہوتی ہے اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ۔ گنتی کے چند دن ہی تو تھے۔ پس یہی کیفیت ہے جو انسانی نفسیات کا ہمیں ایک گہرا سبق سکھاتی ہے اور اس سبق کو سیکھنے سے بہت سے فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

اب رمضان مبارک کا اکثر حصہ تو گزر چکا ہے جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے ہم میں سے بیمار بھی اس میں داخل ہوئے تھے اور صحت مند بھی دونوں کے لحاظ سے یہ آخری ایام یہی خبر دے رہے ہیں کہ گنتی کے چند دن ہی تو تھے لیکن دونوں کا انجام الگ الگ ہے، دونوں کا انجام بالکل مختلف ہے۔ دیکھئے ایک Tunnel آخر ختم ہوا ہی کرتی ہے اور ایک انگریزی محاورہ ہے کہ ہر ٹنل کے آخر پر روشنی دکھائی دیتی ہے۔ مگر یہ محاورہ ناقص محاورہ ہے، درست نہیں ہے۔ ٹنل کے آخر پر اگر رات ہے تو روشنی کیسے دکھائی دے گی پھر تو ٹنل کے آخر پر بھی ایک طویل رات ہی ہے جو دکھائی دینی چاہئے۔ اور ٹنل کے آخر پر ایسی روشنی بھی ہو سکتی ہے جس سے ایک اچھے دن کی خبر ملے۔

اب دیکھیں قرآن کریم ان دونوں باتوں کو اس طرح پیش فرما رہا ہے چنانچہ جو شیاطین ہیں ان کے متعلق فرمایا یُخْرِجُوْنَهُمْ مِنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ کہ وہ خدا کے بندوں کو نور سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں۔ تو رمضان کی ٹنل جو دراصل ایک نور کی ٹنل تھی وہ ان کو روشنی سے اندھیرے میں لے جانے کا موجب بن جایا کرتی ہے اور کچھ ایسے بندے ہیں جن کے متعلق اللہ فرماتا ہے یُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔ تو رمضان کی ظلمات سے مراد یہاں یہ بنے گا کہ رمضان کی راتوں کو جو انہوں نے بسر کیا ہے اس کے آخر پر ایک فجر طلوع ہونے والی تھی۔ وہ رمضان کی راتوں کے اندھیروں کو اس طرح خدا کی راہ میں خرچ کرتے رہے یعنی اس کے لئے جدوجہد کرتے رہے اور تہجد پڑھتے رہے اور دعائیں کرتے رہے تو یہ بھی ایک ٹنل کا اندھیرا ہی تو تھا مگر اللہ نے انہیں ایک دائمی نور کی طرف نکال دیا۔

اور یہ جو فجر طلوع ہوتی ہے لیلۃ القدر کی فجر یہ وہی فجر ہے۔ وہ ایسی فجر ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتی یعنی انسانی زندگی کی مثال کے اوپر اس کو چسپاں کریں تو ساری زندگی جو ستر سال کی زندگی ہے اس پر اس صبح کے سو سال پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ تو یہ عجیب مضمون ہے جو ہر طرح سے رمضان پر بھی پورا صادق آرہا ہے اور انسانی زندگی پر بھی پورا صادق آرہا ہے۔ پس ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جنہوں نے رمضان ایسے گزارا کہ ان کو ٹنل کے آخر پر نور دکھائی دینے لگا ہے یعنی ان کی زندگی بدل گئی ہے۔ ان کی زندگی ایک مسلسل دائمی روشنی کی زندگی میں تبدیل ہو چکی ہے۔ اور کچھ بدنصیب ایسے ہیں جن کو اندھیرے کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے سکتا۔ وہ نور میں داخل ہوتے ہیں اور پھر اندھیروں میں نکل آتے ہیں اس لئے کہ ان کے نفس کے شیطان نے ان کو مسلسل یہ سبق دیا تھا کہ آخر تم اندھیروں میں چلے جاؤ گے فکر نہ کرو یہ جو وقتی مصیبت پڑی ہوئی ہے یہ ٹل جائے گی۔ پس اس پہلو سے یہ رمضان مبارک کسی کے لئے خوش خبریوں کا پیغام لے کے آتا ہے، کسی کے لئے وداع کا پیغام لے کے آتا ہے۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ جو چند دن رہ گئے ہیں، چند دن میں تو اب دو راتیں ہی رہ گئی ہیں تقریباً، آج کی رات ہے پھر ہفتے کی پھر اتوار کی پھر پیر کا دن جو ہے وہ رمضان ختم ہو رہا ہے، تو یہ تین دن ہیں ان تین دنوں کو ہم اس پہلو سے بھی دیکھ سکتے ہیں کہ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ کہ یہ تین دن بھی تو گنتی کے چند دن ہی ہیں کیوں نہ ان دنوں میں زور لگائیں، کیوں نہ ان دنوں میں اپنی گزشتہ کوتاہیوں سے استغفار کریں، توبہ کریں اور دعا یہ کریں کہ اگر رمضان کا پہلا حصہ ضائع ہو گیا ہے تو یہ تین دن ضائع نہ ہوں۔

پس اس پہلو سے چونکہ آج کا جمعہ سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے ساری دنیا میں احمدیوں میں بھی اور غیر احمدیوں میں بھی اس سے زیادہ کثرت کے ساتھ کسی جمعہ میں مسلمان اکٹھے نہیں ہوئے، اس سے زیادہ کثرت کے ساتھ کبھی کسی نماز میں مسلمان اکٹھے نہیں ہوئے۔ آج کا جمعہ بھی اور آج کے جمعہ کی نماز بھی وہ ایسی نماز ہے یعنی جمعہ اور نماز دونوں ہی ایسے ہیں جن میں ساری دنیا میں کبھی مسلمان اس طرح کسی ایک مسجد میں اکٹھے نہیں ہوئے جیسے آج کے جمعہ کے لئے، آج کی نماز کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں۔ پس اس موقع پر جماعت احمدیہ کا جہاں تک تعلق ہے ان کا مجمع تو بہت بڑا ہے یعنی ٹیلی ویژن کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس جمعۃ الوداع میں شامل احمدیوں کی تعداد لکھو کھہا ہے یعنی شمار تو نہیں کی جاسکتی مگر بیشمار کی طرح ہی ہے اور کچھ جو یہاں مسجد میں حاضر ہوئے ہیں ان کی بھی بڑی تعداد ہے۔ یہ سارے کچھ امیدیں لے کے آئے ہیں ہر ایک کو اللہ کے فضل سے امید ہے کہ اس کے گناہ بخشے جائیں گے۔ مگر ان کو یاد رکھنا چاہئے کہ گناہ بخشے جانے

کا مضمون دو طرح سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک یہ کہ گناہ بخشے جائیں اور تم گناہ کرتے چلے جاؤ۔ ایسے شخص کو دھوکہ ہے ایک کہ میرے گناہ بخشے گئے کیونکہ **قرآنی اصطلاح کے مطابق گناہ بخشنے کا مضمون یہ ہے کہ جب گناہ بخشے جاتے ہیں تو گناہوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔ اور اس پہلو سے ہر انسان اپنے نفس کا جائزہ لے سکتا ہے کہ آیا اس رمضان مبارک میں اس کے گناہ بخشے گئے یا نہیں بخشے گئے۔**

پس سب حاضروں کو اور وہ جو نظر سے غائب مگر اس وقت میرے خطاب میں حاضر ہیں ان سب کو میں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ان تین راتوں ہی میں سہی جو رہ گئی ہیں کوشش کریں، زور لگائیں اور بخشش کے اس مفہوم کو حاصل کرنے کی کوشش کریں جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔ بخشے جائیں تو ان کا دل صاف ہو جائے، بخشے جائیں تو ان کا دل پاک ہو جائے، بخشے جائیں تو گناہ سے نفرت ہو جائے اور پھر آئندہ اس کوچے کا منہ دیکھنا تک پسند نہ کریں۔ یہ وہ کامیابی ہے جسے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ذٰلِكَ الفَوزُ العَظِيْم۔ یہ ایک بہت بڑی کامیابی ہے دین اور دنیا اور آخرت کی کامیابی ہے۔ تو میں دعا کرتا ہوں کہ آج کا دن ہم سب کے لئے وہی کامیابی کا دن ہو جس کامیابی کے بعد پھر انسان کو کسی اور کامیابی کی تمنا نہیں رہتی اور وہ کامیابی دراصل لقاء باری تعالیٰ کے دائمی حصول کا نام ہے۔

اس پہلو سے جو میں نے گزشتہ خطبے میں آیت کا مضمون شروع کیا تھا وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِی عَنّی فَاِنّی قَرِیْبٌ وہی مضمون ہے جس میں اس مضمون نے مجھے داخل کر دیا ہے اور اب اس پہلو سے میں آپ کو سمجھاتا ہوں یعنی وہ باتیں جو پچھلے جمعہ بیان نہیں کر سکا تھا اب احادیث اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقتباسات کے حوالے سے ان باتوں کو آپ کے سامنے کھولتا ہوں تاکہ آپ کو سمجھ آجائے کہ آخری کامیابی اور لقاء کہتے کس کو ہیں۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا وَاِذَا سَأَلَكَ عِبَادِی عَنّی فَاِنّی قَرِیْبٌ جب تجھ سے میرے بندے میرے بارے میں سوال کریں فَاِنّی قَرِیْبٌ تو میں قریب ہوں۔ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ پکارنے والے کی دعا کو سنتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِی پس ان کو بھی چاہئے کہ وہ میری آواز کا جواب مثبت رنگ میں دیں وَلْیُوْمِنُوْا بِی اور مجھ پر ایمان لائیں لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

اس سلسلے میں کچھ احادیث میں پہلے پیش کر چکا ہوں اور اب میرے سامنے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کچھ اقتباسات ہیں جو قرآن اور احادیث دونوں کی روشنی میں بیک وقت دونوں کی تفاسیر ہیں۔ البدر جلد ۳ نمبر ۲۹ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ اقتباس شائع ہوا۔ ”اعلیٰ سے اعلیٰ غرض عابد اور پرستار کی یہی ہے کہ اس کا قرب حاصل ہو اور یہی ذریعہ ہے جس سے اس کی ہستی پر یقین حاصل ہوتا ہے“۔ پرستش اور عبادت کی اس کے سوا اور کیا وجہ ہو سکتی ہے کہ اللہ کا قرب حاصل ہو اس کے سوا تو اور کوئی معنی نہیں اور جنہوں نے یہ معنی نہیں سمجھا وہ دھوکے میں مبتلا ہیں اور ساری زندگی دھوکے میں مبتلا رہتے ہیں کیونکہ اگر عبادت کا مفہوم یہ نہ ہو کہ اللہ حاصل ہو جائے تو پھر عبادت کا دوسرا مفہوم جو عرف عام میں سمجھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کی وساطت سے دنیا حاصل ہو جائے یعنی جو ہم دعائیں کریں وہ دنیا کی دعائیں ہوں اور دنیا مل جائے تو گویا کہ خدا حاصل ہو گیا۔ یہ خدا تعالیٰ کے حاصل ہونے کا ہرگز مطلب نہیں ہے۔

پس رمضان میں اس طرح داخل ہوں کہ اللہ کو پکاریں کہ وہ مل جائے اور اس طرح نکلیں کہ دل یقین سے بھر چکا ہو کہ اللہ مل گیا ہے۔ یہ مضمون ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرماتے ہیں۔ ”اعلیٰ سے اعلیٰ غرض عابد اور پرستار کی یہی ہے کہ اس کا قرب حاصل ہو اور یہی ذریعہ ہے جس سے اس کی ہستی پر یقین حاصل ہوتا ہے“۔ جنہیں خدا کا قرب نہیں ہے انہیں کبھی بھی خدا تعالیٰ پر کامل یقین نہیں ہوتا ہمیشہ دو انتہاؤں کے درمیان لٹکتے رہتے ہیں کبھی خیال ہوتا ہے خدا ہے، کبھی خیال ہوتا ہے نہیں ہے اور یہ دمبدم شک کی ضرب جو ان پر پڑتی ہے تو جتنا ایمان سے پہلے فائدہ اٹھایا ہوا ہوتا ہے اس کو بھی وہ ضرب ضائع کر دیتی ہے۔ نہ اِدھر کے رہتے ہیں نہ اُدھر کے رہتے ہیں۔ پس قرآن کریم نے اس کا یہ حل بیان فرمایا ہے فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِی اگر وہ میری آواز کو سنتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ میں ان کی آواز کو سنوں تو جیسے مجھ سے جواب کی مثبت توقع رکھتے ہیں خود بھی تو مثبت رنگ میں جواب دیں تو گویا یہ مکالمہ مخاطبہ شروع ہو جاتا ہے اور یہ مکالمہ مخاطبہ ہی ہے جو یقین کی انتہاء تک پہنچاتا ہے۔

جتنے بھی انبیاء ہیں ان کو خدا تعالیٰ کی ذات پر یقین اور ایسا یقین جو کبھی پھر متزلزل نہیں ہو سکتا مکالمہ مخاطبہ کے نتیجے میں ہوا کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو وہ بلاتے ہیں اللہ تعالیٰ مثبت جواب دیتا ہے پھر اللہ ان کو بلاتا ہے تو وہ مثبت جواب دیتے ہیں یہ مکالمہ مخاطبہ بعض دفعہ کلمات کی صورت میں ہوا کرتا ہے، بعض دفعہ رجحانات کی صورت میں ہوا کرتا ہے۔ اور خدا کے وہ بندے جن میں سے اللہ بالآخر مکالمہ مخاطبہ کے لئے بعض بندوں کا انتخاب فرماتا ہے پہلے ان کی زندگی ایک خاموش مکالمہ مخاطبہ میں ڈھل جایا کرتی ہے روزمرہ کی زندگی یہی دیکھتے ہیں یہی سلوک کرتے ہیں۔ جب اللہ کو بلاتے ہیں کسی ضرورت کے لئے، کسی حاجت کے لئے خواہ اس کو پکارنے کا یہ مطلب نہ بھی ہو کہ وہ خود مل جائے۔ کسی مشکل، کسی مصیبت میں مبتلا جب وہ اللہ کو پکارتے ہیں تو تعجب سے دیکھتے ہیں کہ ان کا خدا تو اتنا قریب ہے کہ ان کی باتوں کو سن لیتا ہے۔

اور پھر جب اللہ انہیں بلاتا ہے تو اس وقت بظاہر جنہوں نے دنیا کی خاطر خدا کو بلایا ہوا سی دنیا کو تج کے خدا کی آواز پہ دوڑے چلے آتے ہیں۔ یہ ایک خاموش مکالمہ مخاطبہ ہے۔ اللہ نے بلایا تو اس کے حضور حاضر ہو گئے۔ یہ مکالمہ مخاطبہ ہی ہے جو دراصل بولتے ہوئے مکالمے مخاطبے میں تبدیل ہو جایا کرتا ہے۔ اور یہ یقین کی وہ گھڑی ہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ان لوگوں کو پھر کبھی بھی خدا کی ذات میں شک پیدا نہیں ہوتا۔ جتنے انبیاء ہیں وہ اسی یقینِ مستحکم تک پہنچائے گئے یعنی پھر انہوں نے ایک وقت ایسا آیا کہ اللہ کی آواز کو سنا اور جب وہ بولتے تھے تو اللہ ان کی آواز کو سنتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی پہلو سے اس کو یقین اور معرفت کے لئے انتہائی ضروری قرار دیا ہے۔

”اعلیٰ سے اعلیٰ غرض عابد اور پرستار کی یہی ہے کہ اس کا قرب حاصل ہو اور یہی ذریعہ ہے جس سے اس کی ہستی پر یقین حاصل ہوتا ہے اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ کے بھی یہی معنے ہیں کہ وہ جواب دیتا ہے۔ گونگا نہیں۔ دوسرے تمام دلائل اس کے آگے ہیچ ہیں۔ کلام ایک ایسی شے ہے جو کہ دیدار کے قائم مقام ہے“۔ پس رؤیت کا ایک اور مفہوم بھی ہے جو اس سے بالا ہے اس کو دیدار کہہ رہے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کا ایک شعر ہے کہ ؎

دیدار گر نہیں ہے تو گفتار ہی سہی ☆ حسن و جمالِ یار کے آثار ہی سہی

کہ دیدار نصیب نہیں تو گفتار تو ہو۔ آوازیں دو اور کسی گھر سے جواب ہی نہ آئے تو کیا پتہ اندر کوئی ہے بھی کہ نہیں۔ مگر آوازیں دو اور محبوب کی آواز جواب دے تو وہ آواز بھی بہت تسکین کا موجب بنا کرتی ہے۔ جب آواز آئے تو پھر یہ بھی تو امکان ہوتا ہے اور یہ بھی توقع کی جا سکتی ہے کہ آخر وہ دروازے کی کنڈی بھی کھول دے گی۔ اگر اس جواب میں پیار ہے پھر لازماً اس توقع سے انسان چوکھٹ پہ بیٹھ جاتا ہے کہ جس نے اس پیار سے جواب دیا ہے وہ کنڈی بھی تو کھولے گا اور میرے ہمیشہ کے لئے اس گھر میں داخل ہونے کے سامان ہو جائیں گے۔ اسی مضمون کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ”حسن و جمالِ یار کے آثار ہی سہی“۔ کچھ تو ہو جس پہ زندگی کٹے، کچھ بھی نہ ہو تو پھر باقی کیا رہ جائے گا۔

پھر مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ”اب یہ بات سوچنے کے قابل ہے کہ ایک طرف تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو فرمایا صَلِّ عَلَیْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ تیری صلوٰۃ سے ان کو ٹھنڈ پڑ جاتی ہے اور جوش و جذبات کی آگ سرد ہو جاتی ہے۔ دوسری طرف فَلْیَسْتَجِیْبُوا لِی کا بھی حکم فرمایا۔ ان دونوں آیتوں کے ملانے سے دعا کرنے اور کرانے والے کے تعلقات، پھر ان تعلقات سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کا بھی پتہ لگتا ہے کیونکہ صرف اسی بات پر منحصر نہیں کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کی شفاعت اور دعا ہی کافی ہے اور خود کچھ نہ کیا جائے اور نہ یہی فلاح کا باعث ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی شفاعت اور دعا کی ضرورت ہی نہ سمجھی جائے“۔ اب اوپر کے مضمون سے تو بظاہر یہ مضمون نکلتا ہوا دکھائی نہیں دے رہا اس لئے یہ ان مشکل عبارات میں سے ہے جن پر ٹھہر کر غور کریں اس کی تہہ تک اترنے کی کوشش کریں تو پھر اچانک آپ کو وہ معرفت کے موتی ہاتھ آجائیں گے جو بعض دفعہ سمندر کی تہوں میں غوطہ زنی کے بغیر نہیں ملا کرتے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام بھی ایک ایسے سمندر کی طرح ہے جس کی بعض دفعہ غوطہ زنی کرنی پڑتی ہے۔ کچھ تو اس کے محاسن ہیں جو سمندر کی سطح پر پھیلے پڑے ہیں وہ ہر دیکھنے والے کو دکھائی دیتے ہیں لیکن کچھ گہرے ڈوبے ہوئے بھی ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا یہ جو اقتباس میں نے چنا ہے یہ ڈوبے ہوئے معانی پر مشتمل ہے۔ صَلِّ عَلَیْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ میں پہلی بات جو قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ یہاں مُردوں کی بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام نہیں کر رہے جن کے متعلق بظاہر یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ آیت کا منطوق یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نماز جنازہ پڑھا کر کیونکہ جب تو ان کی نماز جنازہ پڑھتا ہے تو ان کو سکون ملتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مردے قبر کے اندر ایک سکون پاتے ہیں۔ یہ ایک ایسی خبر ہے جس کا ہمیں کوئی یقینی علم نہیں ہے۔ یقینی علم قرآن کریم کی صداقت کی وجہ سے تو ہے لیکن براہِ راست کوئی علم نہیں کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کے جنازہ پڑھنے سے مُردوں کو کیا تسکین ملتی ہے۔ لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس آیت کو زندوں کی طرف پھیر دیا ہے اور یہ ایک بہت گہرا مضمون ہے۔

فرمایا ”تیری صلوٰۃ سے ان کو ٹھنڈ پڑ جاتی ہے اور جوش و جذبات کی آگ سرد ہو جاتی ہے“۔ اب یہ جو فقرہ ہے ”جوش و جذبات کی آگ سرد ہو جاتی ہے“۔ یہ چابی ہے اس مضمون کو سمجھنے کی۔ کیونکہ مُردوں کے متعلق ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ ان کو سکینت نصیب ہوتی ہے لیکن جوش و جذبات کی آگ مرنے کے بعد کہاں ٹھنڈی ہوتی ہے۔ وہ تو مرتے وقت ٹھنڈی ہو چکی۔ جو ہونا تھا، جتنا بھڑکنا تھا بھڑک چکی۔ تو یہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عظیم عرفان کا ایک مظہر مضمون ہے کہ آپ فرماتے ہیں ”تیری صلوٰۃ سے ان کو ٹھنڈ پڑ جاتی ہے اور جوش و جذبات کی آگ سرد ہو جاتی ہے“۔ جب یہ ثابت ہو جائے کہ جوش و جذبات کی آگ سرد ہو گئی اور ٹھنڈ پڑ گئی کہ محمد رسول اللہ نے ہمارے لئے دعائیں کی ہیں تو اس کے

بعد یہ دل کو یقین ہو گیا کہ رسول اللہ ہماری شفاعت بھی کریں گے جن کی دعاؤں کے نتیجے میں ہمیں تسکین نصیب ہوئی، جن کی دعاؤں کے نتیجے میں ہمیں دل کی آخری سکینت نصیب ہوئی ہے کہ سب جھوٹے جوش نکل گئے۔ آرام سے دل ایک راہ پر چل پڑا ہے اور اسی راہ پر وہ راضی ہو گیا ہے۔ یہ جب یقین ہو گیا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں دوسری طرف فَلْيَسْتَجِيْبُوْالِي کا بھی تو حکم ہے۔ یہ کیوں؟ وہی کافی ہونا چاہئے تھا بظاہر۔ لیکن پھر اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ بھی میری سنیں۔

تو مراد یہ ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ نتیجہ نکال رہے ہیں کہ رسول اللہ کی دعا اور شفاعت پر تم انحصار کر ہی نہیں سکتے جب تک خود بھی اللہ کی باتوں کا جواب نہ دو۔ پس اس مضمون کو کھولنے کے بعد اسے کفارہ سے ایک بالکل الگ اور مختلف مضمون بنا کر دکھا رہے ہیں۔ فرماتے ہیں "ان دونوں آیتوں کے ملانے سے دعا کرنے اور کرانے والے کے تعلقات، پھر ان تعلقات سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ان کا بھی پتہ لگتا ہے کیونکہ صرف اسی بات پر منحصر نہیں کر دیا کہ آنحضرتؐ کی شفاعت اور دعا ہی کافی ہے اور خود کچھ نہ کیا جائے اور نہ یہی فلاح کا باعث ہو سکتا ہے"۔ نہ یہ دوسری بات نجات کا موجب ہو سکتی ہے "کہ آنحضرتؐ کی شفاعت اور دعا کی ضرورت ہی نہ سمجھی جائے"۔ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ **اپنی طرف سے پوری دیانت سے اللہ کی باتوں کا جواب دو لیکن تم کمزور ہو اور اس جواب دینے میں، اس لبیک کہنے میں کچھ کمزوریاں رہ جائیں گی ان کمزوریوں کو دور کرنے اور ان کو پورا کرنے کے لئے ایک ایسے وجود کی ضرورت ہے جس کا اللہ تعالیٰ سے کامل اتصال ہو۔ وہ ایک طرف سے تمہارا ہاتھ پکڑے اوردوسری طرف اس سے ملا دے جہاں تک جانا مقصود تھا، جس تک پہنچنے کے لئے تمہاری اپنی کوشش کام نہیں آ سکتی تھی۔**

اب دیکھیں کتنا لطیف مضمون ہے اور کیسے تسلسل کے ساتھ انسانی زندگی کے گہرے راز، یعنی کامیاب انسانی زندگی کے راز اس میں بیان ہوئے ہیں اور کفارہ سے بالکل الگ کر کے اس کو دکھایا ہے کیونکہ اس کے برعکس یہ مضمون پیش کرتا ہے کہ جتنے گناہوں میں ملوث ہونا چاہتے ہو، ہوتے چلے جاؤ بے شک، مسیح کو سچا مان لو اور اس کے بعد بھی تا زندگی جتنے گناہ کرو گے وہ سارے بخشے جائیں گے، صرف ایک دفعہ مسیح کو سچا کہہ دو۔ یعنی یہ کفارہ وہ ہے جو ساری دنیا کو قیامت تک کے لئے گناہوں سے بھر دے گا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی شفاعت وہ ہے جو قیامت تک کے لئے دنیا کو گناہوں سے نفرت دلانے کے لئے بار بار تنبیہ کرتا رہے گا کہ دیکھو رسول اللہ کی شفاعت کا انحصار نہ کرنا اگر تم نے خدا کے سامنے سر نہ جھکایا اور خود اپنی محنت اور کوشش سے خدا تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش نہ کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا کفارہ تمہارے کسی کام نہیں آئے گا کیونکہ آپ اس کی شفاعت کریں گے ہی نہیں جو خود خدا کی باتوں کا جواب نہیں دینا چاہتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک دوسرے اقتباس میں فرماتے ہیں "شفاعت اعمال حسنہ کی محرک کس طرح پر ہے۔ اس سوال کا جواب بھی قرآن شریف ہی سے ملتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ وہ کفارہ کا رنگ اپنے اندر نہیں رکھتی جو عیسائی مانتے ہیں کیونکہ اس پر حصر نہیں کیا جس سے کاہلی اور سستی پیدا ہوتی ہے بلکہ فرمایا اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ یعنی جب میرے بندے میرے بارے میں تجھ سے سوال کریں کہ وہ کہاں ہے تو کہہ دے کہ میں قریب ہوں۔ قریب والا تو سب کچھ کر سکتا ہے دُور والا کیا کرے گا۔ اگر آگ لگی ہوئی ہو تو دور والے کو جب تک خبر پہنچے اس وقت تو شاید وہ جل کر خاک سیاہ بھی ہو چکا ہو"۔ پس قریب نے یقین پیدا کر دیا خدا تعالیٰ کے اس جواب نے کہ میں قریب ہوں اس یقین سے روشناس کرا دیا کہ کسی حالت میں بھی خدا کے بچانے کی پہنچ سے تم باہر نہیں ہو۔ جب بھی تمہارا دل بے اختیار پکارے گا کہ ہمیں بچا لے تم خدا کو اپنے قریب پاؤ گے۔

اور یہ مضمون جو ہے اس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آگے مزید بڑھا کر یوں پیش کرتے ہیں "اگر آگ لگی ہوئی ہو تو دور والے کو جب تک خبر پہنچے اس وقت تو شاید وہ جل کر خاک سیاہ بھی ہو چکے اس لئے فرمایا کہ کہہ دو میں قریب ہوں۔ پس یہ آیت بھی قبولیت دعا کا ایک راز بتاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی قدرت اور طاقت پر ایمان کامل پیدا ہو اور اسے ہر وقت اپنے قریب یقین کیا جاوے"۔ اب وہ لوگ جو خدا کو پکارتے ہیں لیکن دل اس یقین سے نہیں بھرا ہوا کہ وہ ہمارے پاس ہی ہے وہ گویا ایک دور کے خدا کو پکارتے ہیں اور ان کا اس طرح خدا تعالیٰ ہاتھ نہیں پکڑتا جس طرح ان کا پکڑتا ہے جو اس کو قریب دیکھتے ہیں۔

پس فرمایا "اللہ کی قدرت اور طاقت پر ایمانِ کامل پیدا ہو اور اسے ہر وقت اپنے قریب یقین کیا جاوے اور ایمان ہو کہ وہ ہر پکار کو سنتا ہے۔ بہت سی دعاؤں کے ردّ ہونے کا یہ بھی سرّ ہے کہ دعا کرنے والا اپنی ضعیف الایمانی سے دعا کو مسترد کرا لیتا ہے"۔ دعا کرتا ہے پر پورا یقین نہیں ہوتا کہ کوئی سننے والا سنے گا بھی۔ اگر ایک فقیر ایک دروازے کے پاس جا کے آواز دے اور یقین نہ ہو کہ اندر کوئی ہے بھی کہ نہیں تو سرسری سی ایک دو آوازیں دے کے آگے نکل جائے گا حالانکہ بعید نہیں کہ اندر کوئی ہو اور اسے آواز پہنچے اور بعد میں جا کے وہ دروازہ کھولے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں ایک روایت یہ ملتی ہے کہ ایک فقیر نے آواز دی اور آپؑ تک نہ پہنچی یا باتوں میں مصروف تھے اور ذرا دیر میں اس کا خیال آیا۔ وہ اس وقت تک جا چکا تھا۔ وہ سمجھا تھا کہ میری آواز کا جواب ہی نہیں آیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے پیچھے آدمی دوڑا دیئے کہ جاؤ اس کو پکڑ کے لاؤ تب تک میرے دل کو تسکین نہیں ہو گی جب تک وہ آ نہ جائے اور میں اس کی مراد پوری نہ کر دوں۔ تو اللہ کے بندوں کا یہ حال ہے تو اللہ کا کیا حال ہو گا۔ یہ ایک مثال ہے صفات باری تعالیٰ کو سمجھنے کے لئے حالانکہ وہ صفات انسانی صفات سے مختلف ہوتی ہیں۔ پس اگر اس یقین سے آپ دروازہ کھٹکھٹائیں کہ ہے کوئی جو سنے گا تو پھر وہ دیکھیں گے کہ اگر وقتی طور پر اس نے تاخیر کر دی ہو تو سننے میں تو تمہارے پیچھے دوڑا چلا آئے گا تمہیں پکڑ کر واپس اپنے در پر لے کے جائے گا اور یہ وہ زندگی ہے جو کامل یقین تک پہنچائے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں "**بہت سی دعاؤں کے ردّ ہونے کا یہ بھی ایک سرّ ہے کہ دعا کرنے والا اپنی ضعیف الایمانی سے دعا کو مسترد کرا لیتا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ دعا کو قبول ہونے کے لائق بنایا جائے**۔ کیونکہ اگر وہ دعا خدا تعالیٰ کی شرائط کے نیچے نہیں ہے تو پھر اس کو خواہ سارے نبی بھی مل کر کریں تو قبول نہ ہو گی اور کوئی فائدہ اور نتیجہ اس پر مترتب نہیں ہو سکے گا"۔ ایسی دعا جو خدا تعالیٰ کے منشاء کے خلاف ہے سارے نبی بھی مل کر کریں تو قبول نہیں ہو گی۔ ان دعاؤں میں سے ایک دعا یہ بھی ہے کہ نبیوں نے کہا کہ اے اللہ ہماری امت میں کوئی بھی گنہگار باقی نہ رہے۔ قیامت تک کے لئے یہ یقین ہو جائے کہ سب نے تیری رحمت کا فیض پایا ہے تب ہمارے دل کو ٹھنڈ پڑے گی۔ دعا اچھی تھی مگر منشاءِ الٰہی، قدرتِ الٰہی کے خلاف تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جو انسان کو آزادی دے رکھی ہے اس کے برعکس تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یہی دیا کہ ہاں میں دعا کو سنتا ہوں اور سنوں گا مگر گنہگار اور فاسق فاجر جو خود فسق و فجور کرنا چاہیں ان کے حق میں یہ دعا نہیں سنوں گا اس لئے کہ ان کو قاعدہ کلیہ کے طور پر ایک مستقل رخصت دی جا چکی ہے اور تخلیق انسانی کے آغاز ہی سے یہ بات لکھی جا چکی ہے۔ اس لئے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جن کے بارے میں میرا فرمان صادر ہو چکا، اس فرمان صادر ہونے کا یہ بھی مطلب ہے کہ ان کے متعلق ازل سے ہی یہ فرمان صادر ہو چکا ہے کہ تم بدی کے لئے بھی آزاد ہو اور اگر بدی کرنا چاہو گے تو زبردستی نہ خدا تمہیں روکے گا نہ سارے انبیاء کی دعائیں مل کر بھی تمہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ پس اس پہلو سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرما رہے ہیں پھر سارے نبی بھی مل کر دعا کریں تو قبول نہ ہو گی اور کوئی فائدہ اور نتیجہ اس پر مترتب نہیں ہو سکے گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی مضمون میں یہ بھی فرماتے ہیں "یہ ایک سچا اور یقینی امر ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے"۔ یہاں صاحبِ حال بول رہا ہے۔ وہ جس نے بارہا قبولیت دعا کے نظارے دیکھے ہوئے ہیں۔ "اور قبولیت کا شرف بخشتا ہے مگر ہر رطب و یابس کو نہیں"۔ اب یہ ایک اور مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس تحریر میں مزید کھول دیتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ میں جانتا ہوں کہ سنتا ہے اور سارے انبیاء کی دعائیں سنتا ہے ہر دعا کرنے والے کی دعا سنتا ہے مگر دعا سننے کا ایک مفہوم یہ ہے کہ جو دعا کی جائے اور اس کے مفاد کے خلاف ہو جو دعا کرنے والا ہے تو اس کو سننے کا مطلب ہے اس کو ردّ کر دیتا ہے۔

اب یہ بہت لطیف مضمون ہے کہ سننے کا مطلب ردّ کرنا۔ اب ماں بچے کی پکار سنتی ہے نا۔ وہ کہہ دے کہ میں نے آگ میں ہاتھ ڈالنا ہے، آگ میں ہاتھ ڈالنا ہے تو سنے گی!؟۔ سنے گی مگر ردّ کر کے۔ بچے تمہیں راحت چاہئے نا تو میں جانتی ہوں کہ تمہاری راحت اس میں ہے کہ ہاتھ نہ ڈالنے دوں اور وہ روتا پیٹتا رہ جائے، اس کی دعا رد کرنے ہی میں اس دعا کی قبولیت کا راز ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں "کیونکہ جوش نفس کی وجہ سے انسان انجام اور مآل کو نہیں دیکھتا اور دعا کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ جو حقیقی بہی خواہ اور مآل بین ہے"۔ جو انجام پر نظر رکھتا ہے مآل پر نظر رکھتا ہے۔ "ان مضرتوں اور بد نتائج کو ملحوظ رکھ کر جو اس دعا کے تحت میں بصورت قبول داعی کو پہنچ سکتے ہیں"۔ وہ نقصان جو لفظوں میں اگر دعا کو قبول کیا جائے تو دعا کرنے والے کو پہنچ سکتے ہیں۔ "ان کا خیال کر کے اسے ردّ کر دیتا ہے اور یہ ردِّ دعا ہی اس کی قبول دعا ہوتی ہے"۔

اب یہ بظاہر متضاد باتوں کو اکٹھا کر کے اس حکمت اور دانشمندی سے پیش کیا جارہاہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریروں کے سوا آپ کو کہیں ایسی حکمت کی باتیں دکھائی نہیں دیں گی۔ قرآن وحدیث میں بہر حال ہیں اور انہی سے تو اخذ کی گئی ہیں مگر اس دور میں ان مشکل مضامین کو کھولنے والا مسیح موعود سے بڑھ کر آپ کو کہیں کوئی دکھائی نہیں دے گا۔ فرمایا "پس ایسی دعائیں ہیں جن میں انسان حوادث اور صدمات سے محفوظ رہتاہے اللہ تعالیٰ قبول کرلیتاہے"۔ ایسی دعائیں دعا کرنے والے کے حق میں قبول کرلیتاہے۔ "مگر مضر دعاؤں کو بصورت ردّ قبول فرمالیتاہے"۔ یہ بھی بہت پیارا جملہ ہے۔ یہ نہیں فرمایا ردّ کر دیتاہے "بصورتِ ردّ قبول فرمالیتاہے"۔

یہ بات بھی بحضورِ دل سن لینی چاہئے کہ قبولِ دعا کے لئے بھی چند شرائط ہوتی ہیں۔ ان میں سے بعض تو دعا کرنے والے کے متعلق ہوتی ہیں اور بعض دعا کرانے والے کے متعلق۔ **دعا کرانے والے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف اور خشیت کو مدنظر رکھے اور اس کے غناءِ ذاتی سے ہر وقت ڈرتارہے اور صلح کاری اور خدا پرستی اپنا شعار بنالے۔ تقویٰ اور راستبازی سے خدا تعالیٰ کو خوش کرے تو ایسی صورت میں دعا کے لئے بابِ استجابت کھولا جاتاہے"۔** پہلے باب استجابت جب کھولا جاتاہے تو کیا ہوتاہے اس کا بیان کرنے کے بعد فرمایا یہ چیزیں ہیں جنہیں اختیار کروگے تو تمہارے لئے بھی ان معنوں میں بابِ استجابت کھولا جائے گا۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں "دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا جس نے دعا کی تعلیم نہیں دی۔ یہ دعا ایک ایسی شے ہے جو عبودیت اور ربوبیت میں ایک رشتہ پیدا کرتی ہے"۔ دعا کے بغیر اللہ تعالیٰ سے زندگی کا رشتہ قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسے جنین کا رشتہ ماں سے ایک نالی کے ذریعے ہوتاہے جس سے خون اس تک پہنچتاہے، ساری غذا اس کو ملتی ہے اسی طرح دعا کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان معنوں میں بار بار بیان فرمایاہے کہ دعا کے بغیر تو اللہ سے زندگی کا رشتہ قائم ہو ہی نہیں سکتا۔ پس تم جو حاجت روائی کے لئے دعائیں مانگتے ہو تمہاری حاجتیں دعا ہی پوری کرے گی مگر یاد رکھو کہ اگر یہ رشتہ نہیں تو تم مُردہ ہو۔ کوئی حیثیت ہی تمہاری نہیں اور پھر مُردوں کی خدا پرواہ نہیں کرتا۔ ایسا بچہ جو ماں کے پیٹ میں فوت ہو چکا ہو ماں کو اس سے کیسی ہی محبت کیوں نہ ہو، کیونکہ اپنے پیٹ میں ہے مگر اس پر اپنی طاقتیں ضائع نہیں کرتی پھر اس کا رشتہ کٹ جاتاہے اور وہ بچہ عفونت کا شکار ہو جاتاہے حالانکہ ماں کو بہت پیارا ہے مگر اس میں تعفن پیدا ہو جائے گا، بدبو پیدا ہو جائے گی۔ ایسا کہ بعض دفعہ ماں کے لئے بھی خطرہ بن جاتاہے۔ تو ایسی صورت میں ماں چاہتی ہے اس کو نکال کے پھینک دے۔ خدا کے لئے تو آپ خطرہ نہیں بن سکتے مگر خدا والوں کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں اس وجہ سے اللہ تعالیٰ پھر ایسے لوگوں کو ردّ فرمادیتاہے اور ان کو کاٹ کر اپنے سے الگ کر دیتاہے۔

یہ عبودیت اور ربوبیت کا رشتہ سمجھنا چاہئے اور یہ رشتہ تب تک قائم ہے جب تک آپ خدا تعالیٰ سے زندگی پاتے رہیں گے۔ جب خدا سے آپ زندگی پانا بند کر دیں گے تو پھر یہ رشتہ کٹ جائے گا یا کاٹے جانے کے لائق ہو جائے گا۔ فرماتے ہیں "اس راہ میں قدم رکھنا بھی مشکل ہے"۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ "لیکن جو قدم رکھتاہے پھر دعا ایک ایسا ذریعہ ہے کہ ان مشکلات کو آسان اور سہل کر دیتاہے"۔ قدم رکھ کے تو دیکھو، دعا کرکے پکارو دعا ہی مشکلات کو بھی حال کرے گی، دعا ہی راہیں تمہارے لئے آسان کر دے گی جو بڑی مشکل راہیں ہیں۔" جب انسان خدا تعالیٰ سے متواتر دعائیں مانگتاہے تو اور ہی انسان ہو جاتاہے"۔

یہ بات بھی تجربے میں آنی چاہئے اور جو خدا رسیدہ بنتے ہیں ان کے تجربے میں آتی ہے کہ **دعا مانگو تو مانگتے چلے جاؤ اس یقین کے ساتھ کہ میرا کام دعا کرنا ہے اس کی مرضی ہے قبول کرے یا نہ کرے، ہرحالت میں مجھے دعا ہی کرنا ہے تا کہ میرا زندگی کا رشتہ قائم رہے۔ اگر اس یقین کے ساتھ دعا کرتے رہیں گے تو ان کی تمام مشکلات رفتہ رفتہ آسان ہونی شروع ہو جائیں گی اور انسان اپنے اندر تبدیلی دمبدم محسوس کرتاہے۔** چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں تو وہ اور ہی انسان ہو جاتاہے۔ اب 'متواتر دعائیں مانگتاہے تو اور ہی انسان ہو جاتاہے' سے یہ مراد نہیں ہے کہ متواتر دعائیں مانگتے مانگتے ساری زندگی گزر جاتی ہے وہ بدکار رہتاہے، خدا سے دور رہتاہے اور بالآخر وہ اور انسان ہو جاتاہے۔ مراد یہ ہے کہ متواتر دعاؤں کے نتیجے میں اس کے اندر تدریجی تبدیلیاں ہوتی چلی جاتی ہیں اور وہ تبدیلیاں جب اپنے درجۂ کمال تک پہنچتی ہیں، جب ہر انسان کا درجۂ کمال الگ الگ ہے تو پھر وہ ایک اور ہی انسان کی حیثیت میں ڈھل جاتاہے۔ "اس کی روحانی کدورتیں دور ہو کر اس کو ایک قسم کی راحت اور سرور ملتاہے اور ہر قسم کے تعصب اور ریاکاری سے الگ ہو کر وہ تمام مشکلات کو جو اس کی راہ میں پیدا ہوں برداشت کرلیتاہے خدا کے لئے ان سختیوں کو جو دوسرے برداشت نہیں کرتے اور نہیں کر سکتے صرف اس لئے کہ خدا تعالیٰ راضی ہو جائے برداشت کرتاہے تب خدا تعالیٰ جو رحمٰن اور رحیم خدا ہے اور سراسر رحمت ہے اس پر نظر کرتاہے اور اس کی ساری کلفتوں اور کدورتوں کو سرور سے بدل دیتاہے"۔

یہ جو کیفیت ہے یہ ایک ایسی کیفیت ہے جسے خدا کا ہر بندہ ہر کوشش کے دوران محسوس کرتاہے اور جانتاہے اور پہچانتاہے اگرچہ ان کی کوششیں بظاہر دنیا میں صرف ہوتی ہیں مگر یہ قاعدہ کلیہ ہے جس کی طرف اشارہ فرمایا گیاہے اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا، تکلیف اٹھاؤ گے راہ میں یہ ضروری ہے کیونکہ تکلیف کے بغیر کوئی یُسْر مل ہی نہیں سکتا۔ یہ وہ قاعدہ کلیہ ہے جس کو تمام انبیاء کی دعائیں مل کر بھی تبدیل نہیں کر سکتیں۔ اس قاعدہ کلیہ کے تجربے سے دنیا کے سائنس دانوں نے بھی محسوس کیا اور معلوم کیا اور اپنے لفظوں میں اسے بیان کرنے کی کوشش کی۔

ایڈیسن تھامس اس کا پورا نام مجھے یاد نہیں مگر ایڈیسن کے نام سے مشہور ہے جو اس جدید دور کے ایسے سائنس دانوں میں سے ہے جس نے سب سے زیادہ بنی نوع انسان کی روزمرہ کی ضرورتوں کے لئے کوئی نہ کوئی چیز ایجاد کرلی۔ امریکہ کا مشہور سائنس دان ہے اور بجلی کے بلب ہوں یا ٹیلی فون ہو کوئی بھی نیا آلہ نہیں جو اس جدید دنیا کے کام آتاہے جس کا آغاز ایڈیسن نے نہ کیا ہو۔ حیرت انگیز دماغ بخشا تھا اللہ نے اُس کو اور تعجب سے لوگ دیکھتے تھے، اس کے بڑے بڑے انٹرویو لینے کے لئے لوگ دُور دُور سے آتے تھے کہ تم ہو کیا بلا، کس طرح تمہیں یہ باتیں سوجھتی ہیں۔ تو ایک دفعہ ایک اخباری نمائندے نے انٹرویو میں اس سے یہ سوال کیا کہ بتاؤ تو سہی یہ کیا قصہ ہے تم جینئس (Genius) کیسے ہو گئے۔ ایسے جینئس کہ یوں لگتاہے جیسے مثال ہی کوئی نہیں۔ اس نے کہا دیکھو جینئس بننے کے لئے ایک ضرورت ہے جسے پورا کرنا پڑتاہے اس کا فقرہ جو مشہور ہے تاریخ میں ہمیشہ سنہری حرفوں سے لکھا جائے گا وہ یہ تھا Genius is one percent of inspiration and ninty percent of perspiration. Genius جو ہے اس کا ننانوے فیصد پسینہ ہوتاہے، ننانوے پسینے بہاتاہے تب ایک گھڑی انسپریشن (Inspiration) کی نصیب ہوتی ہے۔ کیسا عمدہ جواب ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گا۔

اور خدا کے بندوں کا بھی یہی حال ہے ان کے پسینے تو کوئی نہیں دیکھتا جو وہ خدا کی راہ میں بہاتے ہیں، ان کی راتوں کی گریہ وزاری کوئی نہیں سنتا اور جب ان کو الہام ہوتے ہیں، جب اللہ ان کو نوازتاہے، ان کی دعائیں قبول کرتاہے تو لوگ سمجھتے ہیں دیکھو جی یہ اچانک آسمان سے گر گیا۔ اچانک کچھ نہیں ہوا کرتا ساری زندگی اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا میں صرف کرنی پڑتی ہے۔ خدا کی راہ میں ایسی محنتیں کروگے اور یقین کروگے کہ ان محنتوں کو قبول کرنے والا موجود ہے وہ انسپریشن دے گا اور وہی ریویلیشن (Revelation) دے گا۔ پس سائنس دان Revelation کا دوسرا نام ہی Inspiration رکھتے ہیں۔ یعنی اندر سے ایک نور کی آواز بلند ہوتی ہے اور اللہ کے بندے جو جانتے ہیں کہ یہ آواز بھی دراصل اللہ کے کہنے پر ہی اٹھی تھی وہ جانتے ہیں کہ یہ آواز اوپر سے بھی اترتی ہے اور ظاہری لفظوں میں اترتی ہے۔ اس کو Revelation کہا جاتاہے مگر دونوں کا پس منظر ایک ہی ہے محنت، محنت اور محنت۔

تو اب کتنے دن باقی ہیں آپ کی محنت کے، تین دن تو باقی رہ گئے ہیں اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ۔ بہت تھوڑے گنتی کے دن ہیں۔ انہی میں جتنی محنت ہو سکتی ہے کرلیں اور جو محنت مکمل نہ کر سکیں اب سارا سال اسے کرناہے، یہ پیغام ہے جمعۃ الوداع کا جو آخری پیغام میں آپ کو دینا چاہتاہوں۔ ان تین دنوں کے بعد یہ نہ سمجھیں کہ ایک سال انتظار کرنا پڑے گا محنتوں کا، محنتیں تو مسلسل کرنی پڑیں گی سارا سال کوشش کرنی ہوگی۔ تب جاکر بعید نہیں کہ خدا تعالیٰ آپ کو اگلے سال وہ لیلۃ القدر دکھادے جو ٹل کے آخر پر ایک ایسی روشنی کی

صورت میں دکھائی دیتی ہے جس نے کبھی ختم نہیں ہونا، ساری زندگی وہ روشنی آپ کا ساتھ دے گی۔ اگر یہ نہیں کریں گے تو پھر اُن اندھیروں سے میں آپ کو ڈراتا ہوں جن اندھیروں سے اللہ نے آپ کو ڈرایا ہے کہ دیکھو شیطان تمہیں نور سے اندھیروں کی طرف نکال کے لے جاتا ہے۔ اللہ ہی ہے جو سب اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔

اس خطبے کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ آخری اقتباس میں آپ کے سامنے پڑھ کر سناتا ہوں۔ "دوسرا طریق حقیقی پاکیزگی اور خاتمہ بالخیر کے حاصل کرنے کا جو خدا تعالیٰ نے سکھایا ہے جو دراصل سب سے مقدم ہے وہ دعا ہے اس لئے جس قدر ہو سکے دعا کرو۔ یہ طریق اعلیٰ درجہ کا مفید اور مجرّب ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اُدْعُوْنِی اَسْتَجِبْ لَکُمْ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہارے لئے قبول کروں گا۔ **دعا ایک ایسی چیز ہے جس کے ساتھ مسلمانوں کو دوسری قوموں پر فخر کرنا چاہئے۔** دوسرے مذاہب کو دعا کی حقیقت کی کچھ خبر بھی نہیں"۔ اب دیکھ لیجئے مسیحیوں کو کفارہ کی اطلاع دی گئی جو دعا نہیں ہے اور دوسری قوموں میں بھی دعا کا یہ مضمون کہیں نہیں ملے گا، اس کا ہزارواں حصہ بھی نہیں ملے گا جو قرآن کریم نے مسلمانوں کو سکھا دیا ہے۔ بائبل کی تلاش کرلیں، ہندو کتب کی تلاش کرلیں، بدھسٹ کتب کی تلاش کرلیں کہیں آپ کو دعا کا یہ مضمون دکھائی نہیں دے گا۔

"دوسرے مذاہب کو دعا کی حقیقت کی کچھ بھی خبر نہیں اس واسطے ان کو دعا کی کوئی قدر ہی نہیں ہے"۔ دعا روزمرہ ان کی زندگی میں کوئی معنے نہیں رکھتی۔ آپ نے کبھی یہ دیکھا ہے کہ عیسائی مل رہے ہوں، بدھ مل رہے ہوں، ہندو مل رہے ہوں اچھا جی دعا کرو ہمارے لئے۔ یہ دعا کرنے اور کرانے کا جنون عام مسلمانوں کو بھی نہیں احمدیوں کو ہی ہے۔ آتے جاتے اچھا جی دعا کرنا، دعامیں یاد رکھنا، خط لکھیں گے تو دعا میں یاد رکھیں۔ دوسروں کے خط اکٹھے کرلو میں نے ایک دفعہ اندازہ لگایا کہ ساری دنیا میں جو اربوں خطوط لکھے جاتے ہیں سارا سال اس میں دعا کی ایسی درخواستیں نہیں ملتیں، کہیں نشان بھی نہیں ملتا جو ایک مہینے میں احمدی دعا کے ذکر سے بھر کر خط لکھتے ہیں۔

تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیسے راز کو پکڑ لیا ہے، کیسی نکتے کی بات پکڑی اور بیان فرمائی۔ فرمایا "دوسرے مذاہب کو دعا کی حقیقت کی کچھ بھی خبر نہیں اس واسطے ان کو دعا کی کوئی قدر ہی نہیں بلکہ مسلمانوں نے بھی اس میں سخت ٹھوکر کھائی ہے کہ دعا جیسی شے کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے ہیں حالانکہ یہ فخر اور ناز صرف اسلام کو ہی ہے۔ دوسرے مذاہب اس سے بکلّی بے بہرہ ہیں"۔

پس اے دنیا بھر کے احمدیو! جو میرا خطاب سن رہے ہو آخری پیغام یہی ہے کہ تم اس فخر اور ناز کو اپنے سر سے اتار نہ پھینکنا، عمر بھر یہی تمہارا تاج رہے اور یہی رضائے باری کا تاج ہے جو خدا کرے کہ ہمیشہ جماعت احمدیہ کے سروں پر چمکتا رہے۔

✿✿✿......✿✿......✿✿✿